Tauseeq, Volume. 1, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: : https://doi.org/10.37605/tauseeq.v1i2.9

Received: 24-08-2020
Accepted: 14-09-2020
Published: 30-06-2020

حلقہ اربابِ ذوق کی غزل
(تنقیدی نشستوں کی رودادوں کی روشنی میں)

Ghazal of Halqa Arbab e Zauq

(In the light of records of Critical Sessions)

نورین شفیع*

پروفیسر ڈاکٹر عبدالستار خٹک*

Abstract:.
Halqa Arbab e Zauq Peshawar is a very active organization. This organization was established in 1948. Its meetings are held weekly. Arbab e Zauq Peshawar is one of the largest literary organizations in the country. News of the literary activities of the circle is read weekly. The ghazal of the constituency is almost as old as the history of Peshawar. As far as the ghazal recitation of Arbab e Zauq Peshawar is concerned, regular critical meetings were held in this regard from the very beginning. This organization promoted Urdu poetry, ghazal, fiction and literary criticism.

Key Words: Halqa Arbab e Zauq, ghazal, critical meetings, literary criticism, promoted.

حلقہ ارباب ذوق پشاور بڑی فعال تنظیم ہے۔ یہ تنظیم ۱۹۴۸ کو قائم ہوئی تھی۔ یہ واحد تنظیم ہے جو مسلسل کئی دہائیوں سے قائم و دائم ہے اور تواتر سے ادبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئی ہے۔ اس تنظیم کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ اس کے اجلاس ہفتہ وار منعقد ہوتے ہیں۔ حلقہ ارباب ذوق پشاور نے بہت نو آموز شعراء اور نثر نگاروں کی شعری و نثری تربیت کی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔ اس تنظیم سے ہمیشہ پڑھے لکھے اور نامی گرامی ادیب وابستہ رہے ہیں۔

حلقہ ارباب ذوق کی برکت سے آج پشاور ادبی لحاظ سے ملک کے بڑے شہروں لاہور، کراچی اور راولپنڈی سے اگر آگے نہیں ہے تو پیچھے بھی نہیں۔ یہ واحد ادبی تنظیم ہے جو پرنٹ میڈیا پر چھائی ہوئی ہے۔ اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں میں حلقے کی ادبی سرگرمیوں کی خبریں ہفتہ وار پڑھنے کو ملتی

---

* اردو لیکچرار، سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کالج برائے خواتین پشاور

* پروفیسر، جامعہ قرطبہ، پشاور

ہیں۔اس تنظیم نے اردو نظم، غزل، افسانہ اور ادبی تنقید کو فروغ دیا۔مشاعروں کی روایت کو برقرار رکھا ہے اور ادبی شخصیات کے تعارف اور حوصلہ افزائی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کی تاریخ جتنی پرانی ہے، حلقے کی غزل لگ بھگ اتنی ہی قدیم ہے۔حلقے کی غزل سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ غزل اس میں خود بخود تخلیق ہوتی رہی۔بلکہ مقصود یہ ہے کہ اپنی غیر تحریری منشور کے ماتحت حلقے نے کسی بھی صنف ادب، خواہ منثور ہو یا منظوم، کی بنیاد پر دوسروں کے لیے اغماض نہیں برتا اور نہ ہی ادبی اختلافات کی بنیاد پر دوسروں کے لیے دروازہ بند کیا۔حلقہ ارباب ذوق پشاور کی غزل گوئی ایک طرف غزل کی تنقید ہے تو دوسری جانب اس میں غزل اصلاحاتی مراحل سے گزر کر اپنے وجود کو توانا اور مستحکم کرتی رہی ہے۔اس سے پہلے کہ حلقے کی غزل پر بات کی جائے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حلقے میں پیش ہونے والی تمام غزلیات کو، خواہ وہ معیاری ہوں یا غیر معیاری، اس مقالے میں نقل کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ زمانی قدامت سے قطع نظر یہاں ان غزلیات پر بات ہوگی جو ہنر کے پیمانوں پر پورا اترتی ہوں۔

جہاں تک حلقہ ارباب ذوق پشاور کی غزل گوئی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں باقاعدہ تنقیدی نشستیں ابتدا سے ہی منعقد ہوا کرتی تھیں۔پہلی نشست اتوار 12 اگست 1984 کو یوم آزادی کے حوالے سے منعقد ہوئی۔اس تقریب میں سہیل واجد فوق کی غزل پر تنقید یوسف رجا چشتی کی صدارت میں ہوئی۔یہ اجلاس امیر حمزہ شنواری آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی تھی۔سب سے پہلے سہیل واجد فوق نے اپنی تازہ غزل تنقید کے لیے پیش کی۔اس نشست کی روداد کو سامنے رکھ کر اس کے چیدہ چیدہ نکات کو اشعار کے حوالوں کے ساتھ نقل کیا جارہا ہے۔

غم ملے اور بے شمار ملے
پھول مانگے تو ہم کو خار ملے
دکھ ہی دیکھے ہیں آنکھ کھلنے پر
مر نہ جائیں جو ہم کو پیار ملے
جاں بھی دینے سے کچھ دریغ نہیں
گر محبت کا اعتبار ملے
دل کی بستی کا راج دیدوں سے
پھر وہ صورت جو ایک بار ملے
جس کی چھاؤں سکون بخشے فوق

اک شجر ایسا سایہ دار ملے(1)

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے شبابؔ نے اس غزل کے مطلع کو عام قرار دیا۔ناصرؔ نے کہا کہ نصاب کی کتابوں میں مطلع کی جو تعریف درج ہے ویسا ہی ایک مطلع ہے۔اس میں کوئی نیا پن نہیں اور مضمون بھی ہزاروں بار کا روندا ہوا ہے، جسے قدیم شعرا میں سے کم و بیش ہر ایک نے باندھا ہے۔جناب صدر نے توجہ دلائی کہ اگرچہ مضمون پرانا اور شعر روایتی ہے مگر شعر میں رعایت لفظی کی خوبی پائی جاتی ہے۔اس شعر میں "پھول" اور "خار" کے مابین صنعت تضاد موجود ہے جو غیر محسوس انداز میں زندگی کے تضادات کو اجاگر کر رہی ہے۔دوسری بات اس مطلع کی روانی اور بے ساختگی ہے جو ہنری عیوب سے پاک ہے۔تیسرا حوالہ اس میں استعمال ہونے والی زبان ہے جو اردو محاورے کی لاج رکھ رہی ہے۔بہر حال شرکائے مجلس کی آراء کے ساتھ ساتھ اس مطلع کا موسم بڑا خوش گوار ہے اور روایتی ہونے کے باوجود اس میں موجودہ دَور کی افراتفری کی ترجمانی خوب ہوتی ہے۔مشتاق شباب نے کہا کہ فوقؔ کی غزل میں ان کے والد گرامی کا تاثر پایا جاتا ہے۔اس حوالے سے ناصر نے کہا کہ:

> " آج کی غزل میں کئی ایک تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔آج کی غزل میں اپنے گرد و پیش میں ہونے والے واقعات کا نقشہ اور خاکہ کھینچا جاتا ہے اور کسی بھی جواں فکر شاعر سے روایتی انداز کی غزل کی ناصر نے کہا کہ یقیناً توقع نہیں کی جاسکتی۔فوق کی غزل میں ان کے والد گرامی سید مظہر گیلانی کا رنگ نمایاں ہے مگر ان کے بعد غزل نے جو کروٹیں لی ہیں اور ہمارے گرد و پیش کے حالات جس جس تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئے وہ غزل میں نئے انداز اور نئی بات کا تقاضا کرتے ہیں۔"(2)

ناصر علی سید کی رائے سے ثابت ہوتا ہے کہ غزل کو بدلتے عہد کے تقاضوں کو اور نئے دور کے مسائل کو اپنے بطن میں جگہ دینی چاہیے۔تکرار اور اعادہ صرف تعددی اضافے کا موجب بنتی ہے بلکہ بے کیفی بھی پیدا کرتی ہے۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کے ہفتہ وار اجلاس کا دوسرا پڑاؤ اتوار 19 اگست 1984 کو امیر حمزہ شینواری آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض جناب ناصر علی سید نے انجام دیئے۔اس نشست میں امجد بہزادؔ کی غزل تنقید کے لیے پیش ہوئی۔جس پر احباب نے سیر حاصل گفتگو کی۔تنقید کے لیے پیش ہونے والی غزل کے چند اشعار اور ان پر تنقید کی روداد مختصراً ملاحظہ کیجیے:

کھٹکا رقیب کا ہے نہ دشمن زمانہ ہے
صد شکر ہے کہ عشق ہمیں غائبانہ ہے

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے محمد علی حیرتؔ نے کہا کہ شعر کا مضمون سادہ سا ہے لیکن مصرع ثانی میں صد شکر کے ساتھ "ہے" کا لفظ زائد ہے ارباب حلقہ نے حیرتؔ کی تائید کی۔ناصرؔ اور مشتاق شبابؔ نے "ہے" کو "یہ" سے بدل دینے کا مشورہ دیا۔یوسف رجاؔ چشتی نے کہا کہ بات مزاحیہ رنگ

میں کہی گئی ہے۔زاہد نے کہا کسی حد تک مزاح کا پہلو نکلتا ہے۔ناصر نے کہا کہ شعر کا وہ مفہوم ہے ہی نہیں جو لیا جارہا ہے۔اس میں کہیں بھی مزاح کا پہلو نہیں۔در حقیقت شاعر اپنے آئیڈیل کی تلاش میں ہے۔اصل میں عشق اسے اپنے نصب العین سے ہے جس میں نہ رقیب کا کھٹکا ہوتا ہے اور نہ ہی زمانے کی دشمنی کا ڈر۔شعر میں غائبانہ کا قافیہ واضح طور اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

؎ہاں مالکان آئینہ خانو! مناؤ جشن
اب شہر میں ہیں سنگ نہ کوئی دیوانہ ہے

"مالکان آئینہ خانو" کی ترکیب کو سست گردانتے ہوئے احباب نے شعر کے پہلے مصرع پر نظر ثانی کا مشورہ دیا۔مشتاق نے آئینہ خانو کی جگہ شیش محل تجویز کیا۔ناصر نے دوسرے مصرع میں "ہیں" کی بجائے "ہے" کا لفظ لانے مشورہ دیا۔

؎لکھا ہے کب کسی نے تہہ تیغ حرفِ حق
یہ کون ہے کہ جس کا سخن کافرانہ ہے

احباب نے متفقہ طور پر اسے خوبصورت شعر قرار دیا۔

؎یارب ! وہ تیغ دشمن کم ظرف کی نہ ہو
جس تیغ نے بھی میرے لہو میں نہانا ہے

احباب نے اسے حاصل غزل شعر قرار دیتے ہوئے سراہا۔

؎بہزاد قتل ہونے کی خواہش کو ہو نوید
سب قاتلوں سے اپنا یہاں دوستانہ ہے(3)

زاہدؔ نے شعر میں فیضؔ کے رنگ کی نشاندہی کی۔دوسرے مصرعے میں "یہاں" کا لفظ زائد قرار دیا گیا۔خواجہ اختر نے نکتہ اٹھایا کہ خواہش کو نوید ہو سکتی ہے۔رجانے "خواہش کو نوید ہونا" پہلی مرتبہ سننے کا اعتراف کیا۔ناصر نے اس حوالے سے کہا:

"اگر جذبے کو نوید ہو سکتی ہے تو خواہش کو نوید ہونے کی بات بھی سمجھ میں آتی ہے۔یہ دوسری بات ہے کہ یہ ترکیب پہلی مرتبہ سننے میں آئی ہے۔اس لیے کانوں کے لیے نامانوس سی ہے۔فی زمانہ جو ادب تخلیق ہو رہا ہے اس میں خواہشات او رجذبوں کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔اگر یہ بات درست تسلیم کی جاتی ہے تو پھر خواہش کو نوید ہونا بھی درست ہے۔"(4)

غزل کے مجموعی تاثر پر بات کرتے ہوئے احباب نے اسے ایک خوبصورت غزل قرار دیا۔

حلقے کی ایک نشست اتوار 26 اگست 1984ء چھ بجے شام پشاور کلب میں منعقد ہوئی جس کی صدارت یوسف رَجا چشتی نے کی جبکہ یوسف عزیز زاہد نے نقد و نظر کے لیے اپنی غزل پیش کی۔چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

؎اک حدیث شب ہجراں تھی سناتے کس کو
شہر تو سارا ہی گرویدہ جذبات کا تھا

ناصرؔ نے کہا کہ شاعر کی فکر اچھی ہے مگر اسے شعر میں قرینے سے نہیں نبھایا گیا۔پہلا مصرع جس قدر خوبصورت، بھرپور اور برجستہ ہے دوسرا مصرع اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔ علی احمد قمر نے کہا کہ دوسرے مصرع میں "گرویدہ" کا لفظ جچتا نہیں۔خواجہ یعقوب اختر نے کہا کہ "اک حدیث شبِ ہجراں" کے حوالے سے دوسرے مصرعے میں گرویدہ کے بجائے کوئی ایسا لفظ آنا چاہیے تھا جو مفہوم کی وضاحت کر دیتا۔ مشتاق شباب نے کہا کہ شعر کا ماحول لفظِ گرویدہ سے بوجھل سا ہو رہا ہے۔ حیرتؔ نے کہا کہ گرویدہ کا لفظ بیگانہ سا لگتا ہے۔صاحب صدر نے کہا کہ اگرچہ شعر اپنی جگہ خوبصورت اور خاص طور سے مصرع بہت بھرپور ہے مگر دوسرے مصرع پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

؎زندگی تیرے قرینے ہی بدل جانے تھے
ورنہ کچھ حوصلہ ہم کو تو مکافات کا تھا (5)

ناصر علی سید نے مکافات کے روایتی استعمال کی رو سے شعر کو دولخت قرار دیا کہ دونوں مصرعوں کے مابین ربط اور ارتباط کا فقدان موجود ہے اور ایک مصرع دوسرے مصرعے کو تقویت نہیں پہنچا رہا، حالانکہ یہی وصف شعر کو خوبصورت بنا رہا ہے۔ معنوی سطح پر شاعر نے کہا کہ مکافات عمل کے علاوہ بھی انسان کی زندگی دیگر تبدیلیوں کی زد میں آسکتی ہے اور یہ بہت بڑا شاعرانہ خیال ہے۔اس کے اظہار کے لیے شاعر کے پاس نہ تو الفاظ کی کمی ہے اور نہ قرینے کا کوئی عیب اس کے یہاں سامنے آتا ہے۔ ایسے اشعار حلقے کی غزل کی خوبصورتی کا باعث بنتے ہیں اور حلقے کی تنقید کو نئی رعنائی بھی دیتے ہیں۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کی ایک نشست اتوار 2 دسمبر 1984 چھ بجے شام، پشاور کلب میں منعقد ہوئی۔صدارت کے فرائض جناب رضا ہمدانی نے انجام دیئے۔پروگرام کے مطابق خواجہ یعقوب اختر نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی۔

؎تصور سے مٹا پائے نہ اس کو
جو دیکھا واقعہ تھا بے خودی میں

بیشتر احباب نے کہا لفظوں کی دروبست درست نہیں۔ عزیز اعجاز نے کہا "گزرتا ہے یا پیش آتا ہے" زیادہ بہتر لگے گا، واقعہ کا دیکھ جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔جناب صدر نے کہا کہ شعر پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

؎وہ گل جو خون سے پالے تھے ہم نے
جھلس کر رہ گئے ہیں چاندنی میں

احباب نے شعر کو سراہا۔رجاؔ نے کہا کہ "پالے" کی بجائے اگر کوئی اور لفظ آتا تو شعر زیادہ خوبصورت ہو جاتا۔

جنوں نے سنگ در رکھا تو اختر

کیا سجدہ وہاں پر بے خودی میں (6)

جناب رضا ہمدانی نے کہا کہ شعر کا پہلا مصرع الجھا ہوا ہے۔ ناصرؔ نے کہا کہ نئی بات کہی گئی ہے۔ رجاؔ نے کہا نئی بات نہیں اور اس سے کوئی مضمون نہیں نکلتا۔ احباب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شعر اور اس کا مضمون دونوں الجھے ہوئے ہیں۔ جناب صدر نے کہا کہ غزل کے بعض اشعار کے ساتھ شاعر کو مقطع پر بھی نظر ثانی کر لینی چاہیے۔

اگست ۱۹۸۵ کی منعقدہ تقریب پشاور کلب میں سجی جس کی صدارت شمیم حیدر نے کی تھی۔ اس نشست میں نذیر تبسمؔ کی غزل تنقید کے لیے پیش کی گئی تھی۔ روداد کو سامنے رکھ کر ان سے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں:

تو گویا نقش ہنر سینۂ چٹان میں ہے

مرا وجود اگر لمحۂ گمان میں ہے

روداد کے مطابق یوسف رجا چشتی نے کہا کہ فارسی اور اردو کے الفاظ کی ترکیب نہیں آنی چاہیے۔ قدغنیں اور تکلفات غزل میں بہر حال بر قرار رہنی چاہییں۔ انہوں نے کہا کہ اس شعر میں مطلع کا حسن ختم ہو گیا ہے۔ صمیم نے کہا کہ اگر مطلع کا دوسرا مصرع پہلے اور پہلا مصرع بعد میں پڑھا جائے تو شعر خوبصورت ہو گا۔ مطلع میں فکری تانا بانا نہیں بنتا۔ رجا چشتی نے کہا کہ "تو" اور "گویا" کا یہاں اکٹھا آنا بے معنی سا لگتا ہے۔ دونوں میں سے ایک یا دونوں زائد ہیں۔ فضل حسین صمیم نے کہا کہ گمان کو یقین میں بدلنا شاعری میں ایک خوبصورت اور عمدہ رویہ ہے اور یہ کہ اساتذہ کے ہاں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ یوسف رجا چشتی نے کہا کہ نقش اور خطوط میں فرق ہے۔ خطوط مل کر نقش بناتے ہیں۔ صمیم نے کہا کہ ایک نقش کو مختلف زاویوں سے دیکھا جائے تو مختلف نقوش سامنے آجاتے ہیں۔

اس شعر پر جو وقیع انتقادی تبصرے ہوئے ہیں ان کی مدد سے شعر کی ساختیاتی اور لسانیاتی حوالوں کا بھی بھید کھل کر سامنے آرہا ہے۔ لفظ کس طرح استعمال ہونا چاہیے، کہاں استعمال ہونا چاہیے، کیوں کر استعمال ہونا چاہیے، زوائد سے کس طرح دامن بچانا چاہیے اور اس دور کے لہجے کو بر قرار رکھنا کس قدر ضروری ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں شعر پر انتقاد کے دوران کھل کر سامنے آتی ہیں۔ یوسف رجا چشتی، فضل حسین صمیم، مظفر علی سید جیسے بڑے بڑے ادبی کردار شعر پر رائے دینے کے پیچھے موجود نظر آتے ہیں۔ ان کی معتبر آراء ایک طرف حلقے میں غزل کے معیار کو نمایاں کر رہی تھی تو دوسری جانب حلقے کی تنقیدی فضا کا تعین بھی کر رہی تھی۔ یقیناً حلقے کی غزل مفہوم اور معانی اور لفظ و صوتیات ہر سطح پر خود کو اجاگر کرتی آرہی ہے۔

تمہاری جیت مکمل نہیں ہوئی کہ ابھی

انا کا تیر مرے حلقۂ گمان میں ہے (7)

اس شعر پر صرف ایک رائے دی گئی۔ صمیم صاحب نے اچھااور جامع تبصرہ کیا۔

"پہلے مصرعے میں بھی اگر شاعرانہ حسن بخشا جاتا تو بات بن جاتی۔ انہوں نے کہا کہ بات براہ راست ہے۔ اگر ڈائریکٹ بات نہ ہوتی تو بہتر ہوتا۔ " (8)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر شرکاء صاحب تبصرہ سے متفق تھے کہیہاں شاعرانہ حسن خیال کی رفعت کے ساتھ ساتھ صوتیاتی آہنگ سے جڑی ہوئی ہے۔ اچھااور خوبصورت خیال ہے لیکن جمالیات سے عاری ہے۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کی ایک تنقیدی نشست ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ کو منعقد ہوئی تھی۔ صدارت کے فرائض پروفیسر ایوب صابر نے انجام دیئے تھے۔ پروگرام کے مطابق علی احمد قمر نے غزل تنقید کے لیے پیش کی تھی۔ روداد کی چند تنقیدی آراء ملاحظہ کیجیے۔

؎منزل شوق پُر خطر ہے بہت
اور مجھے خواہش سفر ہے بہت

یوسف رجا چشتی نے کہا کہ عموماً رستہ پُر خطر ہوتا ہے اور رستے کے خطرات کا ہی ذکر کیا جاتا ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں دشوار گزار راستے سے گزر کر انسان جس منزل پر پہنچتا ہے وہ بھی پُر خطر ہوتی ہے۔ شباب ؔ نے کہا کہ شعر نامکمل لگتا ہے۔ اگرچہ پہلا مصرع واضح ہے لیکن دوسرے مصرعے میں " پھر بھی" کے الفاظ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ چشتی نے کہا کہ دوسرے مصرعے میں خواہش سفر کا اظہار ہے۔ ابھی سفر کا آغاز نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ بظاہر شعر میں تھوڑا بہت تذبذب موجود ہے لیکن گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو ابلاغ مکمل ہے۔ ظہیر قریشی نے کہا کہ شعر میں جو کشمکش ہے اس میں شعر کا حسن بھی ہے۔ دوسرے مصرعے میں سفر سے مراد جدوجہد لی جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ حامد سروش نے کہا کہ شعر میں کسی لفظ کی کمی نہیں پائی جاتی۔

حلقہ کے احباب نے مطلع پر سیر حاصل گفتگو کی۔ فکری حوالے سے بات کرتے ہوئے پُر خطر راستوں پر منزل تک پہنچنا عام بات نہیں بلکہ مصائب میں الجھ کر زندگی کو پُر لطف گزارنا شعر کا حاصل ہے لیکن راستے اور منزل دونوں کا پُر خطر ہونا ہمت اور جدجہد کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ شباب نے شعر کو نامکمل قرار دیا کہ مصرع ثانی میں " پھر بھی" کے الفاظ کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ جو درست نہیں کیوں کہ لفظوں کی بُنت میں شاعر کا خیال لفظوں کے پس پردہ مکمل مفہوم دے رہا ہے۔ دراصل شاعر سفر کی خواہش میں پُر خطر راستوں پر چل کر منزل کو پانا چاہتا ہے جو واضح اور نمایاں ہے۔ کسی تذبذب کا بھی شکار نہیں۔ شعر میں تصویر مکمل پینٹ کی گئی ہے جو شاعر کی خوبی ہوتی ہے۔ شعر میں بظاہر کشمکش کو شعر کا حسن قرار دیا گیا جو مثبت تنقید کا بڑا حوالہ ہے۔

شرکائے محفل کی آرا سے اتفاق اور اختلاف دونوں کی گنجائش حلقہ کی تنقیدی نشستوں میں موجود ہوتی ہے اور اسی فروعی تنقید نے حلقہ ارباب ذوق پشاور کو ادبی دنیا میں بلند معیار سے ہم کنار کیا۔ ہر دور میں ادب کو یوں تقویت ملتی ہے، ادب پھیلتا ہے اور مختلف آرا سے تنقید کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے پشاور کے ادبا اور شعرا نے مل کر ادب کی آبیاری کی۔ جس سے پشاور کی غزل کا معیار بلند ہوا۔ حلقہ پشاور کے احباب نے فکری اور فنی دونوں حوالوں سے شعر کی شعریت کو سراہا ہے اور وضاحتی تنقید کی خوبصورت مثال پیش کی ہے۔

تو مجھے دشت کے سپرد نہ کر
موت کے واسطے یہ گھر ہے بہت (9)

اس شعر کے متعلق ظہیر قریشی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس شعر کا پہلا مصرع بہت ہی خوبصورت ہے لیکن دوسرے مصرعے میں لفظ "موت" نے اس مصرعے کو بڑا ڈائریکٹ بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوسرے مصرعے میں "موت" کا لفظ ویسے بھی خاصا ثقیل محسوس ہو رہا ہے۔ شعر کا حسن یہاں کسی اور لفظ کا تقاضا کرتا ہے۔" (10)

سروش نے ظہیر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ

"دوسرے مصرعے میں لفظ موت کے آنے سے شعر خاصا ڈائریکٹ ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہر چیز کو فنا ہونا ہے اور ہر جاندار کو موت آتی ہے لیکن شعری حسن برقرار رکھنے کے لیے شاعر کو یہاں کوئی اور لفظ لانا چاہیے تھا۔ انہوں نے کہا کہ پہلا مصرع بہت معیاری ہے لیکن دوسرا مصرع اس معیار کا نہیں۔ یوسف رجا چشتی نے کہا کہ یہاں موت سے مراد کیا صرف موت ہے۔ کیا موت کے معنی صرف دم نکلنے کے ہیں۔ ہو سکتا ہے لفظ موت یہاں بطور استعارہ آیا ہو، شاعر اپنے ارد گرد کے ماحول میں ہونے والی جنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی شکست کو موت کہہ رہا ہو۔ ظہیر قریشی نے کہا کہ موت سے مراد صرف موت نہیں لیکن شعر میں بہر حال یہ لفظ جچا نہیں۔ (11)

یہاں شرکا کی آراء اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل تحسین ہیں کیوں کہ شعر شعریت کے ساتھ ساتھ جمالیات کا متقاضی بھی ہوتا ہے۔ شعر ی حسن عمدہ الفاظ و تراکیب کا مجموعہ ہوتا ہے۔ خیال اور خوبصورت الفاظ مل کر یہ دائرہ مکمل کرتے ہیں۔ شرکائے محفل کی مختلف آراء ہوتی ہیں۔ ان میں معائب اور محاسن دونوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ یہاں دونوں حوالوں سے معتبر ناقدین کی آرا کا معیار بلند نظر آتا ہے۔ مصرع ثانی میں لفظ "موت" اراکین نے ثقیل قرار دیا لیکن یہ ثقالت لفظ کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنوی اعتبار سے ہے۔ کیوں کہ لفظ موت تمام تر تلخیوں کو مفہوم کی حد تک ذہن میں اتارتا ہے جو کسی بھی حساس شخصیت کے لیے قابل قبول نہیں۔ شاعر اور ادیب معاشرے کا حساس طبقہ ہوتا ہے۔، اس لیے یقینی چیز کو بھی بآسانی قبول نہیں کرتا اور یہ انسانی فطرت ہے۔ حالانکہ ایسی حالت سے ایک نہ ایک دن سب کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔

شعر پر رائے دیتے ہوئے کہا گیا کہ لفظ "موت" سے بات ڈائرکٹ ہو گئی ہے۔ شاعر کو ڈائریکٹ بات نہیں کرنی چاہیے، اشاروں کنایوں میں بات کرنی چاہیے۔ کیوں کہ جو خیال شعر میں لفظوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے اس کا پیرایہ دلکش ہونا چاہیے۔ لفظوں کے انتخاب میں شاعر کو بہت احتیاط کرنی چاہیے تاکہ شعر کی شعریت بھی متاثر نہ ہو اور بات بھی قاری تک پہنچے۔ یہ بات درست ہے کہ ان تراکیب کے پس پردہ کئی جہتیں نمایاں نظر آتی ہیں، اس لیے حلقہ ارباب ذوق پشاور کی معتبر آراء نے غزل کو ہر اعتبار سے تنقیدی رویوں سے ہم کنار کیا ہے۔ یوسف رَجا چشتی نے موت کو استعارہ کہہ کر ماحول میں ہونے والی جنگ اور نتیجہ شکست سے تعبیر کیا جو خوبصورت اور قابل تحسین توضیح ہے۔ دراصل شعر کی شعریت لفظ اور تراکیب کے ساتھ ساتھ خیال کیبلندی میں پوشیدہ ہوتی ہے لیکن ناتجربہ کار شاعر بلند خیال کو لفظوں کے انتخاب سے پستیوں سے ہم کنار کرتا ہے جو کہ شعر کے لیے مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ اپنی شاعرانہ مہارت سے کمزور خیال کو لفظوں کے انتخاب سے بلند کرتا ہے۔ بہر حال یہاں موت کے لفظ پر احباب نے نظر ثانی کی تجویز دی، تاکہ شعر کو وہ مقام حاصل ہو جو شاعر کا حق ہے۔

ایک تنقیدی نشست مئی ۱۹۸۶ کو ہوئی تھیجس کی صدارت کے فرائض محترمہ سیدہ حنا نے انجام دیئے تھے۔ اس نشست میں یوسف رَجا چشتی کی غزل تنقید کے لیے پیش ہوئی تھی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے

پت جھڑ ہے اعلان بہاروں کے آنے کا
دیس نہ چھوڑیں کوئی پرندوں کو سمجھائے

چاند سے گرمی پھوٹی سورج سرد ہوا جب
جلتی شام کیا کوئی چوپال سجائے

سائے لینے ہیں تو پیڑ کو پانی تو دو
سوکھ گیا تو تیشہ کھائے آگ لگائے

ٹوٹی پھوٹی کرنوں کا ایک چاند سجانے
ان راتوں نے جانے کتنے سورج کھائے (12)

حاضرین محفل نے ان اشعار کو سراہا اور "پت جھڑ ہے اعلان بہاروں کے آنے کا" والے شعر کو خوبصورت، مکمل اور حاصل غزل شعر قرار دیا۔ اس کے تیسرے شعر پر صمیم صاحب نے یہ رائے دی کہ پہلے مصرعے کی آخری "تو" "اگر" بھی" سے بدل دیا جائے تو اچھا لگے گا اور شعر بھی مکمل ہو جائے گا۔ حلقہ ارباب ذوق پشاور کے شرکاء کا یہ انداز بھی نرالا ہے۔ انصاف اور غیر جانبداری سے کسی شعر کو سراہنا ایک اچھی روایت ہے۔ یہ نہیں

کہ حوصلہ افزائی کر کے تنقیدی خیانت سے دوچار ہوں۔ شاعر کا اس شعر پر بے ساختہ پن کا مظاہرہ کرنا ناقدین کے نزدیک مثبت اقدام ہے۔ اشعار واقعی خوبصورت ہیں، شاعر ناامید نہیں۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کا ایک تنقیدی اجلاس اتوار ۲۱ دسمبر ۱۹۸۶ کو شام ۵ بجے پشاور کلب میں منعقد ہوا تھا۔ صاحب صدارت حامد سروش تھے۔ پروگرام کے مطابق گوہر عزیز نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی تھی۔ ذیل میں روداد کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

یہ کس نے جا کے ستاروں سے اس کو جوڑ دیا
ترے وصال کا لمحہ تو میرے ہات میں تھا

وہ ایک لمحۂ تسخیر یاد ہے اب تک
سپردگی کا نشہ اس کی بات بات میں تھا

نہیں تھی سہل صلیبوں کی عظمتیں گوہر
بہت دنوں سے کوئی سچ ہماری گھات میں تھا (13)

درج بالا تینوں اشعار پر ناقدین نے جامع تبصرہ کیا۔ پہلے شعر میں شباب کو بات بنتی ہوئی نظر نہیں آئی لیکن شعر اتنا پیچیدہ بھی نہیں۔ لمحۂ وصال سے ستاروں کا جوڑنا تحصیل محبت سے ہم کنار ہونا ہے۔ رجانے نکتہ اٹھایا کہ لفظ "جا کے" سے شعر کی جمالیات پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ لفظ "بات" شعری ضرورت کے تحت لایا گیا۔ دوسرے شعر اور مقطع کو شرکائے محفل نے سراہا۔ جو کہ مکمل دائرہ اور تصویر بنا رہی ہے۔ دوسرے شعر میں "بات بات" کا تکرار کا خوبصورت حوالہ ناقدین کا حسن نظر ہے۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کا ایک تنقیدی اجلاس ۱۶ جولائی ۱۹۹۸ کو پریس کلب پشاور میں منعقد ہوا تھا۔ صدارت کے فرائض سجاد بابر نے انجام دیئے تھے۔ اس اجلاس میں اظہار اللہ اظہار نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی تھی۔ روداد کی تفصیل ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

اپنی چھاؤں میں ہر اک سمت شجر جلتے ہیں
لوگ مصروف تبسم ہیں مگر جلتے ہیں

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اکمل نعیم نے سوالیہ انداز میں کہا کہ کیا شجر کا اپنی چھاؤں میں جلنا درست ہے۔ تاجور نے کہا کہ شعر میں شجر اور چھاؤں چونکہ اپنے بھرپور حوالوں سے نہیں آئے اس لیے کوئی کمی محسوس ہوتی ہے۔ سہیل احمد نے بحث میں شریک ہوتے ہوئے کہا اگر ہم شعر کے دوسرے مصرع کو ساتھ لے کر چلیں گے تو تصویر نامکمل رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ شعر میں ظاہری اور باطنی دونوں حوالے موجود ہیں اور ان کے

باہمی ربط کو سمجھے بغیر شعر کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔اس شعر میں شجر سے مراد کوئی درخت نہیں بلکہ شجر ایک علامت ہے جس نے شعر کا کینوس وسیع کیا ہے۔ آج کا حوالہ یقیناً شعر میں موجود ہے لیکن شاعر جس اندرونی گھٹن اور اندر کی آگ کو واضح کرنا چاہ رہا تھا اس حوالے سے تلازمہ مکمل نہیں۔اس شعر میں تمام حوالے اور تلازمات موجود ہیں۔

شرکا کی گفتگو سے اس شعر کی کئی جہتیں اجاگر ہو رہی ہیں۔مصرع اولیٰ میں جلنا اپنے لغوی معنوں میں اور مصرع ثانی میں حسد کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔شعلے اٹھانا اور حسد یا کسی اور کیفیت میں دو مختلف باتیں ہیں۔لوگ بظاہر پر سکون بھی ہوں تو اندر سے جل رہے ہوتے ہیں۔انہوں نے شعر کی لفظیات کے حوالے سے شعر کی خوبصورتی میں کوئی کمی نہیں کی لیکن شجر اور چھاؤں جیسی علامات کے بعد اچانک "لوگ" کا لفظ آجانے سے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگتا ہے۔اگر یہاں ذات کے حوالے سے کسی اندرونی کیفیت کا اظہار ہوتا تو مفہوم کی خوبصورتی کے ساتھ شعریت میں اضافہ ہو سکتا تھا۔لفظیات اور تراکیب کے حوالے سے جو بات ہو رہی ہے، اسی نے شعر کو سطحی بنایا، جو مناسب نہیں۔

"مصروفِ تبسم" کی ترکیب اگرچہ نئی ضرور ہے اور اس شعر کے تلازمات کے ساتھ یہ ترکیب جچتی ہے۔پہلا اور دوسرا مصرع باہم مربوط ہیں، دولخت نہیں۔پہلے مصرع میں شجر اور چھاؤں اور دوسرے مصرعے میں مصروف تبسم جیسے الفاظ کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔دونوں مصرعے دو مختلف تصویریں بناتے ہیں۔لیکن جہاں تک مفہوم کا تعلق ہے شعر کی خوبصورتی اس کے مفہوم میں ہی چھپی ہوئی ہے۔کسی بھی شجر کا اپنی چھاؤں میں جلنا خوبصورت، مکمل اور بامعنی بات ہے۔اس ترکیب نے مفہوم کو یقیناً واضح کیا ہے اور شعری حسن کو دوبالا کیا ہے۔

اب تو جب صحن گلستاں میں بہار آتی ہے

ٹہنیاں پھولتی پھلتی ہیں ثمر جلتے ہیں (14)

طارق ہاشمی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مصرع ثانی میں عجیب سی بات کہی گئی ہے، جسے ذہن قبول نہیں کرتا۔اگر ٹہنیوں کے سلگنے کا ذکر ہوتا تو ثمر جلنے کی بات درست ہوتی۔خالد سہیل نے کہا کہ لفظی ترجمہ شعر کے مفہوم تک رسائی میں آڑے آتا ہے لیکن اس شعر کو اگر عہدِ حاضر کے تناظر میں پڑھا جائے تو بات واضح ہے۔ ہمارے ہاں جو سسٹم رائج ہے، اس میں شجر پر ٹہنیاں تو پھول پھل رہی ہیں مگر پھل جل رہے ہیں۔

۳۱جولائی ۲۰۰۳ کو ایک نشست کا اہتمام پریس کلب پشاور میں نور حکیم جیلانی کی صدارت میں ہوا، جس میں عزیز اعجاز نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی۔

سمجھ سکا نہ جسے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے
میں اس کو جان گیا راستہ بدلتے ہوئے (15)

اس شعر پر مختصر لیکن جامع بات کی گئی۔ احباب کے مطابق شعر اپنے لفظیات کے ساتھ مکمل کہانی بیان کر رہا ہے جو یقینا قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ شاعر کا یہ مطلع اپنے آپ کو منوا رہا ہے۔ بہت عمدہ پیرائے میں شعر کو بُنا گیا ہے۔ شاعر دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں جس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تو ساتھ چلنے سے میں نے اسے جانا تب راستہ بدلنا پڑا۔ اس شعر میں خوبصورت عکاسی کی گئی ہے۔

تنقید کا آغاز کرتے ہوئے صاحب صدارت نے کہا کہ:

"یہ ایک بھرپور شعر ہے اور معنویت کے لحاظ سے اچھا تاثر دے رہا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس شعر میں راستہ بدلنے کی جو بات کی گئی ہے۔ اس سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ جب وہ خود راستہ بدل گئے تو راستہ بدلتے ہوئے انہوں نے اپنے ساتھ کو سمجھ لیا۔"(16)

تمہارے نام پہ دل اس طرح دھڑکتا ہے
کہ جیسے ضد کوئی بچہ کرے مچلتے ہوئے

شعر پر تنقید کرتے ہوئے اعزاز احمد صدیقی نے اسے خوبصورت لہجے کا شعر قرار دیا۔ اس شعر کو بھی شرکا نے سراہا۔ حلقہ ارباب ذوق پشاور نے اپنا تنقیدی معیار ہمیشہ قائم رکھا۔ یہ شعر معنوی اعتبار سے بہت خوبصورت شعر ہے۔ شعر کی جمالیات اور رعنائی اپنے وجود کا اعلان کر رہی ہے۔ دل کا بچوں کی طرح مچلنا بہت خوبصورت حوالہ ہے

ایک اجلاس کی روداد ملاحظہ کیجیے جو نومبر ۲۰۱۲ کو سجاد بابر کی صدارت میں اردو سائنس بورڈ پشاور میں منعقد ہوا، جس میں مشتاق شباب نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی۔

یہ کنارا نہ وہ کنارا ہوا
سلسلہ زیست کا ہمارا ہوا (17)

فاروق جان بابر آزاد نے مطلع کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ

"موجودہ حالات کی خوبصورت عکاسی کی ہے کیوں کہ دور حاضر میں ہم مختلف بحرانوں کا شکار ہیں اور یہ شعر ہماری موجودہ حالت کی سچی عکاسی کرتا ہے۔" (18)

سید زبیر شاہ نے میر تقی میر کے شعر "زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے" کا حوالہ دے کر شعر کی معنویت کو میر تقی میر کے تخلیق کردہ خیال سے جوڑ دیا جو کہ مناسب نہیں، توارد بھی ہو سکتا ہے۔ اس شعر کا مفہوم کچھ اور ہے کہ نامساعد حالات کی وجہ سے انسان غیر یقینی کیفیتوں سے دوچار ہے۔

؎ عکس خوشبو سے محفل گل میں
تتلیوں کو نیا اشارہ ہوا (19)

ڈاکٹر نذیر تبسم نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

"پہلی قرأت میں شعر اچھا لگا۔ محسوس کرنے کا شعر ہے۔ لفظیات کا استعمال بہت اچھا ہے۔ دوسرے مصرعے کی خوبصورتی پر مجھے ایک ہائیکو یاد آئی۔" (20)

اس شعر پر ڈاکٹر نذیر تبسم کی رائے جامع اور مستحکم ہے کہ اس شعر کا تعلق محسوسات سے ہے جو کہ شعری حسن اور شعر کی شعریت کی مکمل ترجمانی ہے۔ جیسے خوشبو کا عکس نہ ہونے کے باجود اپنے وجود کا خوبصورت احساس دلاتی ہے۔

حلقہ ارباب ذوق کی ایک نشست منعقدہ ۱۳ نومبر ۲۰۱۸ کی صدارت اقبال سکندر نے کی جو اردو سائنس بورڈ خیبر بازار پشاور میں ہوئی تھی جس میں ڈاکٹر صغیر اسلم نے اپنی غزل تنقید کے لیے پیش کی

خامشی سے، لب تکرار تک، آتے آتے
آ گئے ہم، تری گفتار تک، آتے آتے

اقبال سکندر نے بحث کا دروازہ کھولتے ہوئے تمام احباب کو مطلع کے مختلف پہلوؤں پر اپنی گراں قدر آراء پیش کرنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر نور حکیم جیلانی نے مطلع کی تعریف کی۔ اقبال سکندر نے سوال اٹھایا کہ یہاں تکرار کیا معنی دے رہا ہے۔ ڈاکٹر نور حکیم نے واضح کیا کہ "لب تکرار" وہ عمل ہے جس میں گفتگو ہوتی ہے۔ شاعر منطق پر چلتا ہے، اس شعر میں معقولیت ہے۔ شکیل نایاب نے بحث کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ تکرار اور تکرار میں فرق ہے۔ تکرار دہرائی کے عمل کو اور تکرار بحث کو کہتے ہیں۔ ڈاکٹر نہار اللہ خان نے رائے دی کہ اس شعر میں بہاؤ ہے۔ یہاں ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ وہ کس کیفیت میں اس گفتار تک پہنچ گئے ہیں۔ ڈاکٹر نور حکیم نے کہا کہ الفاظ اپنے مفاہیم ساتھ لے کر آتے ہیں۔، ہمہ جہت شعر ہے۔

ایک لمحے کے لئے تو نے زمانے مانگے
عمر گزری ترے انکار تک آتے آتے

انجینئر عتیق الرحمن نے کہا کہ یہ مایوسی کی کیفیت کا شعر ہے۔ انکار کے لئے ایک لمحہ درکار ہوتا ہے، زمانے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ شکیل نایاب نے کہا کہ سارے تلازمے اچھے ہیں، جدید اسلوب کا آہنگ بھی موجود ہے، تصویر مکمل اور واضح ہے۔ ڈاکٹر نہار علی نے رائے دی کہ مصرعہ اولیٰ میں غصے کی کیفیت جب کہ مصرع ثانی میں عجز کی کیفیت ہے، یہ شعر اچھا لگا۔ پروفیسر ناصر علی سید نے سوالات اُٹھائے کہ یہاں کون مخاطب ہے؟ کیا حوالہ ہے؟ تصویر کے خدوخال ہیں کہ نہیں؟ اقبال سکندر نے وضاحت کی کہ شاید شاعر اپنی ذات سے مخاطب ہیں۔ مامون الرشید نے تجویز دی کہ "لمحہ" کے بجائے اقرار ہونا چاہیے۔ اسی طرح صنعت تضاد بھی آجائے گی۔ شکیل نایاب نے وضاحت کی کہ مصرعاول میں اقرار موجود ہے، اسی لئے مصرعہ ثانی میں انکار ہے۔ دائرہ پورا بنتا ہے، اچھا شعر ہے۔

جھلنے پڑتے ہیں خاموش محبت کے عذاب
درد کے صورت اشعار تک آتے آتے (21)

مامون الرشید نے رائے دی کہ اچھا شعر ہے اچھے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پروفیسر ناصر علی سید نے بحث کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ

"خوبصورت شعر ہے۔ یہ درد ہی تو ہوتا ہے جو صورتِ اشعار آتا ہے۔ ایسا حوالہ میر کے ہاں بھی موجود ہے۔ محبت کے ساتھ خاموش کا لفظ اچھا لگا۔ آج ایک اچھی غزل ہم نے سنی۔ ڈاکٹر امجد حسین کا ساتھ بھی اچھا لگا۔"(21)

حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روایت ہے کہ شعری معائب اور محاسن دونوں کا اظہار سامنے کیا جاتا ہے تاکہ قلمکار اپنی تخلیقات میں مزید نکھار پیدا کر سکے۔ لفظیات، تراکیب اور فکری حوالوں سے بات کرنا تنقید کو تقویت فراہم کر رہا ہے اور آنے والے قارئین کے لیے مشعل راہ بھی بنتا ہے۔

حلقہ ارباب ذوق پشاور کے اجلاسوں کی رودادوں سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں کی غزل توانا اور تنقید معتبر ہے۔ حلقہ ارباب ذوق دراصل ان دوستوں کی محفل ہے جو مجلس کے دوران دوستی کو بالائے طاق رکھ کر تمام توجہ پیش کردہ تخلیق پر مرکوز رکھتے ہیں۔ وہ تعریف یا تنقیص سے گریز کرتے ہوئے خالصتاً تنقیدی نقطۂ نظر سے بحث میں شامل ہوتے ہیں۔ اساتذہ کی شرکت اور موجودگی حلقہ کی افادیت بڑھا دیتی ہے۔ مشتاق شباب، ناصر علی سید، عزیز اعجاز، اقبال سکندر، شاہد الاعظم الازہری، نذیر تبسم، اکبر مروت، ضیغم حسن، شکیل نایاب اور دیگر حضرات کی موجودگی سے نئے شعرا و ادباء ادب کی مختلف جہتوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

حوالہ جات

1. ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر نمبر 1، ملکیت نایاب، اجلاس منعقدہ ۱۲ اگست ۱۹۸۴، ص ۵

2. ایضاً، ص ۱۲
3. ایضاً، اجلاس منعقدہ ۱۹ اگست ۱۹۸۴، ص ۶۰
4. ایضاً، ص ۶۰
5. ایضاً، اجلاس منعقدہ ۲۶ اگست ۱۹۸۴، ص ۷۰
6. ایضاً، اجلاس منعقدہ ۲ دسمبر ۱۹۸۴، ص ۷۶
7. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۱، ملکیت شکیل نایاب، اجلاس منعقدہ ۱۲ مئی ۱۹۸۵، ص ۸۹
8. ایضاً، ص ۸۹
9. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۲، ملکیت شکیل نایاب، اجلاس منعقدہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۶، ص ۵۴
10. ایضاً، ص ۵۵
11. ایضاً، ص ۵۵
12. ایضاً، اجلاس منعقدہ ۴ مئی ۱۹۸۶، ص ۸۴
13. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۱، ملکیت شکیل نایاب، اجلاس منعقدہ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۶، ص ۱۳۵
14. ایضاً، اجلاس منعقدہ ۲۱ جولائی، ۱۹۸۹، ص ۲۸
15. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۴، ملکیت شکیل نایاب، اجلاس منعقدہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۳
16. ایضاً
17. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۵، ملکیت راشد حسین، اجلاس منعقدہ ۱۲ نومبر ۲۰۱۲، ص ۳۷
18. ایضاً، ۳۸
19. ایضاً، ۳۹
20. ایضاً، ۳۹
21. حلقہ ارباب ذوق پشاور کی روداد، رجسٹر رنمبر ۷، ملکیت راشد حسین، اجلاس منعقدہ ۱۳ نومبر، ۲۰۱۸، ص ۶۸۔۶۹۔۷۰

Reference

1. Chronicle of ArbabZauq Peshawar, Registrar No. 1, Rare Property, Meeting Held on 3Aug 1984, pg. 5
.2..Ibid p2
3.Ibid, the meeting was held on 19 August1984, pg.60
4.Ibid, pg.60
5.Ibid, the meeting was held on 26 August1984, pg. 70.
6.Ibid, the meeting was held on 6 December 1984, pg.76.
7. Chronology of ArbabZauq Peshawar Constituency, Registrar No. 1, Property ShakeelNayab, Meeting held on 12 May 1985, pg.89.
8.Ibid

9. History of ArbabZauq Constituency Peshawar, Registrar No. 2, Property ShakeelNayab, Meeting held on 19 January 1986, pg.54.
55.10. Ibid, pg
, pg.6011. ibid
12.Ibid, the meeting held on 4 May 1986, pg.84.

13. Record of ArbabZauq Constituency Peshawar, Registrar No. 2, Property ShakeelNayab, Meeting held on 21 December 1986, pg.138.

14. Ibid, the meeting was held on 21 July 1989, pg.28.

15. Record of LaqaArbabZauq Peshawar, Registrar No. 4, Property ShakeelNayab, Meeting held on 31 July 2003.

16. Ibid

17. Chronicle of ArbabZauq Constituency of Peshawar, Registrar No. 5, owned by Rashid Hussain, meeting held on 12 November 2012, p. 37.

18.Ibid, p38.

19. Ibid, p39.

20. Ibid, p39.

21. Record of ArbabZauq Constituency Peshawar, Registrar No. 7, owned by Rashid Hussain, meeting held on 13 November 2018, p68, 69, 70.